جناب عبدالرزاق سنگین اکوڑہ خٹک

ایک مردِ درویش

اس طلسم گاہِ ہستی میں جہاں کہیں بھی ہم کوئی عجیب چیز دیکھتے ہیں تو پہلا سوال جو دل میں اٹھتا ہے وہ اس کے بنانے والے کے متعلق ہوتا ہے۔ تاج محل کی شہرۂ آفاق عمارت دیکھ کر شاہجہان کی عظمت کا نقشہ دل پر ثبت ہو جاتا ہے قطب مینار کی بلندی دیکھ کر قطب الدین ایبک کے عہد کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور پاکستان کا نام آتے ہی قائدِ اعظم کی یاد دلوں میں تازہ ہو جاتی ہے۔ آج جبکہ پاکستان کے گوشہ گوشہ میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے چرچے ہیں، اس کی شہرت کے افسانے ہر زبان پر رقصاں ہیں۔ جب بھی آدمی سرحد کی اس واحد علمی درسگاہ کے معرضِ وجود میں آنے کے متعلق اپنی اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں تو لامحالہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی مساعی جمیلہ کا تذکرہ بھی زبان پر آجاتا ہے جنہوں نے آرام و راحت کو خیر آباد کہہ کر اس علمی چراغ کو روشن کیا جس کی ضیا پاشیوں سے پاکستان اور قبائلی علاقوں کا گوشہ گوشہ آج جگمگا رہا ہے۔

اس سفید گورے رنگ اور سیاہ داڑھی والے انسان کو دیکھ کر بے اختیار ع "کسی کرد مہ نوید بدیں گونہ ہالا را" کا مصرعہ زبان پر آجاتا ہے۔ ان کے چہرے کی بشاشت اس قلبی اطمینان کی غمازی کرتا ہے جو ذکر اللہ میں مصروف بندگانِ خدا کو حاصل ہوتا ہے اور ماتھے پر متفکرانہ سلوٹیں عمیق غور و فکر کا پتہ دیتی ہیں۔

صوبۂ سرحد میں علماء کی کمی نہیں، خدا کے فضل سے یہاں کا گوشہ گوشہ ان کے وجود سے معمور ہے جن میں تجربہ کار مدرس بھی ہیں، شعلہ بیان خطیب بھی ہیں جن کی قابلیت کا سکہ اقلیمِ سیاست میں چلتا تھا۔ اور گدی نشین پیرزادے بھی ہیں لیکن بجز مولانا عبدالحق کے سبقت و اوّلیت کی یہ سعادتِ عظمیٰ کسی کو نصیب نہ ہوئی کہ جہالت کے اس ظلمت کدہ میں روشنی کا مینار کھڑا کرے جو گم کردہ راہِ انسانیت کے قافلہ کو اپنی منزل کی طرف راہنمائی کرے ع

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

کسی کو قدرت نے سحر قلمی سے نوازا، کسی کو جادو بیانی کا اعجاز بخشا، کسی کو سیاسی سوجھ بوجھ عطا کی۔ لیکن وہ انسان جن کی مجاہدانہ سرگرمیوں کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے آگ، پانی، مٹی اور ہوا کی بجائے علم، بصیرت، عزم و استقلال کے عناصرِ اربعہ سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تخلیق کی ہے ؎

بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا
غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

اکوڑہ خٹک دیکھنے میں تو ایک معمولی سا قصبہ ہے لیکن یہ قصبہ علاقہ خٹک کا مرکزی اور تاریخی مقام ہونے کی حیثیت سے عظیم شہرت کا مالک ہے۔ خوشحال خان خٹک جن کی قومی شاعری کو ڈاکٹر اقبالؒ نے بھی خراجِ عقیدت ادا کیا ہے، اسی سرزمین میں پیدا ہوئے۔ عبدالقادر خان کی سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی غزلیں اسی فضا میں گونجیں، علی باب خان خٹک جن کی عشقیہ شاعری گندم کے خوشوں کی طرح سہانی ہے، ان کا ہیولیٰ اسی آب و گل سے تیار کیا گیا تھا۔ کاظم خان شیدا (جس نے شعر کی لڑی میں وہ انمول موتی پروئے جواب بھی عروسِ ادب کا آویزۂ گوش ہیں) یہیں آباد تھا لیکن علمی اور ملی فیض رسانی کی سعادت حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ہی کے حصے میں آئی ـــ اس سے میری مراد مذکورہ بالا بزرگوں کی تنقیص نہیں بلکہ مقصد یہ دکھانا ہے کہ ان بزرگوں سے اپنی حیاتِ مستعار اور مصروفِ لیل و نہار کے باعث جو کمی رہ گئی تھی وہ مولانا موصوف نے پوری کر دی۔ گویا مولانا نے ان بزرگوں کے ناقابلِ فراموش فکری کارناموں کی تکمیل کی، جو پروگرام ان کے نہاں خانۂ دماغ میں تھے انہیں جامۂ عمل پہنایا، جو تمنائیں ان کے دلوں میں کروٹیں لے رہی تھیں انہیں پورا کیا۔ خوشحال خان خٹک اور عبدالقادر خان کی علمی کاوشوں کے مطابق میدانِ عمل تیار کیا گیا۔ گویا انہوں نے اینٹیں چنیں اور انہوں نے عمارت کھڑی کی۔

> ہمارا اصول یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر چلو اور محنت، خلوص اور دیانتداری سے کام کرو اور مقصد کے حصول کیلئے فداکارانہ اور ہمہ وقتی جدوجہد جاری رکھو پھر عوام تو کیا پوری کائنات آپ کو اپنی ہمنوا نظر آئے گی
>
> حضرۃ شیخ الحدیث رح

قوم کی تعمیر و ترقی میں دارالعلوم ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ترقی یافتہ ملکوں میں تو عوام اور حکومتوں کے مابین اسی پر مقابلہ ہوتا ہے۔ اگر حکومت چار یونیورسٹیاں قائم کرتی ہے تو عوام علوم و فنون کے آٹھ مراکز قائم کر کے دم لیتے ہیں امریکہ میں پوزیشن یہ ہے کہ وہاں سرکاری طور پر ۵۸ یونیورسٹیاں ہیں تو عوام کے کندھوں پر ۲۰۰ یونیورسٹیوں کا بوجھ ہے۔ لیکن یہاں یہ عالم ہے کہ چند غیر منظم ادارے جو معرضِ وجود میں آئے وہ بھی جاں بلب ہیں اور زبانِ حال سے فریاد کر رہے ہیں کہ ع

چراغِ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

اگرچہ ان اداروں کی ناکامی کے اسباب کافی حد تک اُن کے اپنے کارکنوں کے غلط طرزِ عمل اور تنظیمی لوازم کے فقدان پر مبنی ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضرت! آپ اتنے بڑے کام کا ذمہ کیسے لے رہے ہیں جس کی آبلہ پائیوں کے آگے بڑے بڑے سورماؤں کی توانائیاں جواب دے چکی ہیں، حتیٰ کہ انہوں نے اپنے سفر کی سمت ہی بدل دی اور ایسی توبہ کی کہ پھر ایسے کاموں کا نام تک نہ لیا۔ حالانکہ